جناب ظفر اقبال

عہد رسالت ﷺ اور سائنس وٹیکنالوجی

ترقی، سائنس، ارتقاء اور معیار زندگی کی بلندی کے مفروضات کی تلاش میں سرگرداں ہونے سے قبل اس سوال پر نہایت گہرے غور وفکر کی ضرورت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے کس موڑ پر تشریف لائے۔ جب آپؐ دنیا میں آئے تو اس دنیا کا کیا نقشہ تھا؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کے لیے جس خطے کا انتخاب کیا اس کی جغرافیائی اہمیت وحیثیت کیا تھی؟

مکہ مکرمہ قدیم اور جدید جغرافیہ دانوں کی تحقیق کے مطابق دنیا کے وسط میں واقع ہے۔ گویا کائنات کی مرکزی ہستی ختمی مرتبت ﷺ کو کائنات کے مرکز میں مبعوث کیا گیا، اس بعثت کے ذریعے خانہ کعبہ کی مرکزیت کو دنیا کے لیے ایک مرتبہ پھر ابد تک قائم کر دیا گیا کہ اب پوری دنیا کو رہتی دنیا تک اس مرکز خداوندی اور اس مرکزی ہستی رسالت مآب ﷺ کے ساتھ دائمی تعلق قائم کرنا ہے جو تمام عالمین کے لیے رحمت اور کافۃ للناس ہیں اور آپ ﷺ کا پیغام پوری دنیا کے لیے آخری، حتمی، قطعی اور ابدی پیغام ہے۔

جزیرۃ العرب کی جغرافیائی اہمیت یہ ہے کہ دنیا کے تین براعظم اس سے ملتے ہیں۔ حج کی عبادت کے باعث دنیا بھر کے تجارتی قافلے جزیرۃ العرب کے ذریعے اس سرزمین سے، جو نہ صرف مرکز کائنات [Centre of Universe] بلکہ ازل سے ابد تک کے لیے مرکز رشد وہدایت بھی ہے، تجارت، کاروبار حج اور اسفار کے ذریعے مسلسل رابطے میں رہتے تھے اور پیغام رسالت مآبؐ ان قافلوں کے ذریعے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں فطری طریقے سے پہنچ سکتا تھا۔ یہ پیغام لے جانے والے پیغام رسالت ﷺ کی صرف زبانی ترسیل نہ کرتے بلکہ پیغام دینے والے پیام بر کی سیرت اور شخصیت کے گوشوں سے بھی ذاتی طور پر واقف ہوتے تھے کیونکہ وہ قرآن مجسم رسالت مآب ﷺ کو جزیرۃ العرب کے گرد وغبار، در ودیوار، دیار وامصار، کوچہ وبازار اور نقش ونگار میں ایک نورانی وروحانی وجود کے طور پر چلتا پھرتا ہوا پاتے تھے۔ ایک لفظی قرآن تیس سپاروں میں بند تھا اور دوسرا عملی قرآن مکہ کے گلی کوچوں میں شب وروز ان کے درمیان موجود تھا جس کے ایمان کی حرارت سے پتھر دل پگھل رہے تھے اور صحرا میں موجود ریت کے ذروں کو بھی شعور حاصل ہو رہا تھا۔ آپؐ کی سیرت کے گوشے ان کے لیے مہر جہاں تاب کی کرنوں کی طرح روشن تھے۔ یہ پیغام رسانی عین الیقین کے درجے میں ہوتی تھی۔

عالم عرب کے ایک جانب یونانی فلسفے، سائنس، منطق، تہذیب وتمدن کے آثار محفوظ تھے تو دوسری جانب

ایران، چین، ہنداور روم کی تہذیبیں اپنے علوم وفنون کی پوری آب وتاب کے ساتھ زندہ تھیں۔ فلسفہ، سائنس، ٹیکنالوجی اور علوم عقلیہ میں جزیرۃ العرب ان اقوام سے مسابقت کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، جس قوم، بنی اسماعیل، میں آپ تشریف لائے وہ اُمّیّون تھے، صرف اہل کتاب اس خطے میں لکھنے پڑھنے سے واقف تھے، اس کے برعکس مدارس اور جامعات کے ذریعے تعلیم یونان، ہند، چین اور ایران کے خطوں میں عام تھی۔ ان خطوں سے متصل ماضی کی مٹی ہوئی تہذیبیں ہڑپہ، موہنجوڈرو، ٹیکسلا کے آثار بھی اس بات کی یاددہانی کراتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد سے پہلے کی عظیم الشان قوموں اور ان کے عہد میں موجود مخالف تہذیب وتمدن کے علوم عقلیہ [Natural Philosophy, Science & Technology] سے کچھ عطا نہیں کیا گیا۔

چین، ہنداور روم، یونان اور ایران کی عمارات کے مقابلے میں مدینۃ النبی میں کوئی ایک عمارت عہدِ رسالت میں تو کیا اس کے بعد بھی آج تک تعمیر نہیں کی جاسکی تو آخر کیوں؟ انیسویں صدی کے آخر تک مکہ معظمہ میں فراہمی آب ونکاسی فضلات [Water and Drainage system] کا کوئی باقاعدہ نظام موجود نہیں تھا، جبکہ رسالت مآب ﷺ کی آمد سے تین ہزار سال پہلے کی تہذیب موہنجوڈرو میں نکاسی غلاظت کا زبردست نظام موجود تھا۔ مدینۃ النبی میں اس طرح کی سڑکیں، گلیاں، بازار، مکان، ساعت گاہیں [Auditorium] اور یونیورسٹیاں، موجود نہ تھیں جو رسالت مآب ﷺ کی آمد سے پہلے موہنجوڈرو، ہڑپا، ٹیکسلا، یونان اور روم وغیرہ کی تہذیبوں میں موجود تھیں۔ اتنی عظیم الشان تہذیبوں قوموں اور تمدنوں کے مقابلے میں جو ہر قسم کے علوم وفنون سے آراستہ تھیں ایک ایسی ہستی کو کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا جو نہ لکھنا جانتی تھی نہ پڑھنا جانتی تھی اے نبی ﷺ! آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے: وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ [۲۹:۴۸]۔ ایسی ہستی کا انتخاب کرنے کی حکمت مالک الملک کے سوا کون جان سکتا تھا؟ عرب میں یہودی بھی لکھنے کے فن سے واقف تھے مگر اس فن کی خالق کائنات کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی کہ یہودی اس کتاب کو بھلا چکے تھے جو زندگی کا سرچشمہ تھی لہٰذا اس سرچشمے سے لاتعلقی کے بعد کوئی علم اور کوئی ہنر پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا، رسالت مآب ﷺ میں امی ہونے کی صفت کو عیب کے بجائے اس ہستی کے حق میں ہنر اور کمال قرار دیا گیا اور قرآن نے ''امی'' کے لقب سے آپ کو اور آپ کی قوم کو خود پکارا۔

یہ پکار یہ اعلان اس امر کا استعارہ ہے کہ اے اہل عالم! تمھاری نظر میں جہل اور علم کے دائرے، اس کے اصول ومنہاج، پیمانے، اور معیارات، اسکے اندازے، اس کو پرکھنے کے تمام طریقے اور اس کی تمام تعریفیں بالکل غلط ہیں، تم عظیم الشان عمارتوں، کتابوں، کتب خانوں، اداروں، مدرسوں، فلسفوں، سائنس ومنطق کو علم سمجھتے ہو مگر یہ کیسا علم و عقل اور کیسی روشنی ہے کہ تم حقیقت کلی اور مالک حقیقی کی معرفت سے محروم ہو، وہ علم جو تمھیں حقیقت الحقائق سے وابستہ

نہ کر سکے وہ قیامت تک علم نہیں جہل ہے۔ علم وہ ہے جو تمھیں اپنے خالق کی معرفت سے آگاہ کرے اور اپنی آخرت سنوارنے کے طریقے بتائے لہٰذا اصلاً اُمی رسالت مآب ﷺ میں اہل یونان روم، ہند، چین وایران ہیں۔ جو ہدایت کی روشنی سے محروم ہیں جو اپنے مالک حقیقی کو پہچاننے سے قاصر ہیں جو اس نور سے محروم ہو اس سے بڑا محروم کون ہو سکتا ہے۔

امی ہونے کے باوجود رسالت مآب ﷺ پر علم کس ذریعے سے نازل کیا گیا؟ کیا قلم سے؟ جس کی قسم سورۃ علق میں کھائی گئی، کیا کتاب سے؟ جو اس عہد کے تمام بڑے تمدنوں میں موجود تھی؟ کیا قرطاس سے؟ جو اس عہد کے لوگوں کے لیے اجنبی نہ تھا؟ بلکہ علم آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل کیا گیا کہ یہی قلب علم کا اصل سرچشمہ ہے، انبیا اسی قلب کو درست کرنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں جس میں باطل نقب لگاتا رہتا ہے: ''ان سے کہو کہ جبرئیل نے اللہ ہی کے اذن سے یہ قرآن آپ کے قلب پر نازل کیا ہے'': قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ [۲:۹۷] اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب ﷺ کی رسالت کو قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے وسیع فرما دیا اور آپ پر نبوت کا اختتام کر دیا آپ کافۃ للناس ہیں، آپ کی ہستی کو اللہ تعالیٰ نے ابد تک کے انسانوں کی زندگی سنوارنے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث فرمایا: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [۶۲:۲] ان زمانوں کے لیے بھی جو سائنس وٹیکنالوجی میں سب سے آگے ہونے کا دعویٰ کریں، قرآن نے واضح کر دیا کہ اور [اس رسول کی بعثت] ان دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں: وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [۶۲:۳]۔

رسالت مآب ﷺ کو اپنے عہد کے عظیم الشان تمدنوں کے سامنے کھڑا کر کے دنیا کو قیامت تک کے لیے بتا دیا گیا کہ اصل علم و دانش اور روشنی و نور وحی الٰہی اور علوم نقلیہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس روشنی، نور اور دانش سے محروم معاشرے مادی طور پر خواہ کتنے ہی عظیم الشان ہوں وہ تاریک ترین اور جہالت میں غرق ہیں اور ان کو جہالت سے نکال کر روشنی میں لانا امت وسط کی بنیادی ذمے داری ہے، جو صبح قیامت تک برقرار رہے گی۔ رسالت مآب ﷺ کو قرآن نے سراج منیر کے نام سے پکارا اس لیے کہ العلم، الکتاب آجانے کے بعد روشنی اور علم آجاتا ہے اور ''امیت'' باقی نہیں رہتی لہٰذا قرآن نے امّی ان کو کہا جو اپنی قوم کے ایک بے مثال فرد پر روشنی، نور، فرقان، میزان، فصل الخطاب، حکم، لُب، ضیاء، ذکر، حکمت، خیر کثیر اور العلم نازل ہونے کے باوجود اس سے دانستہ محروم رہے، جو الکتاب کے نزول کے باوجود اس نور سے پھوٹنے والے علم سے بے بہرہ تھے ان میں ایک دوسرا گروہ امیوں کا ہے جو کتاب کا تو علم نہیں رکھتے بس اپنی بے بنیاد آرزوؤں اور امیدوں کو لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم وگمان پر چلے جا رہے ہیں: وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ [۲:۷۸] کتاب ہدایت سے محرومی اور العلم کے مقابلے میں

وہم وگمان کی پیروی اور بے بنیاد امیدوں و آرزوؤں کے لیے سرگرمی ''امیت'' ہے اور اسے ترک کرنا نور، روشنی، برہان، فرقان، عرفان، ایمان، سراج اور چراغ ہے۔اس روشنی کا نتیجہ وہ عظمت وشوکت، رعب ودبدبہ، ہیبت وفضیلت اوراعزاز واکرام، ہے جو حامل وحی گروہ کو روئے زمین پر عطا کی جاتی ہے: ''مگر دیکھ لو دنیا ہی میں ہم نے ایک گروہ کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت میں اس کے درجے اور بھی زیادہ ہوں گے اور اس کی فضیلت اور بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر ہو'': كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ...... اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا [۱۷:۲۰،۲۱] اس فضیلت کا ایک اثر قرآن نے یہ بھی بیان کیا کہ اس گروہ کے کردار، اقبال اور گفتار کے باعث اللہ تعالیٰ اہل عالم کے دلوں میں ان کے لئے محبت پیدا فرمادیں گے: الرحمان وداً [۱۹:۹۶] یہ عزت، محبت، برتری اور فضیلت سائنس ٹیکنالوجی کی بنیاد پر نہیں علم صحیح اور اعمال صالحہ کے صلے میں عطا ہوگی۔اس محبت کا سبب ان کی اخلاقی وروحانی ایمانی فضیلت ہوگی اور کچھ نہیں۔قرآن کے الفاظ میں یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمان ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کردے گا۔پس اے نبی ﷺ اس کلام کو ہم نے آسان کر کے تمھاری زبان میں اس لیے نازل کیا ہے کہ تم پرہیزگاروں کو خوش خبری دے دو: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ...... فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا [۱۹:۹۶،۹۷] حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنے رب سے اپنی اولاد کے لیے دعا فرماتے ہوئے یہ آرزو کی تھی کہ ''لہٰذا آپ لوگوں کے دلوں کو ان [اپنی اولاد] کا مشتاق بنادیجیے اور انھیں کھانے کو پھل دیجیے۔ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ [۱۴:۳۷] یہ مرتبہ اور فضیلت تاریخ کے کسی بھی دور میں، کسی بھی مرحلے پر، کسی بھی وقت حاصل کی جاسکتی ہے لیکن جدیدیت کے زیر اثر عہد حاضر کے بعض راسخ العقیدہ مسلمان حلقے بھی اب اس فضیلت کے کچھ زیادہ قائل نہیں رہے ہیں، انکے خیال میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے بغیر فضیلت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔اور کم از کم عصر حاضر میں صرف اخلاق اور کردار پیدا کرنے سے کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا، بالفاظ دیگر امت کی علیت اور مابعد الطبیعیات رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہی ہے۔تو کیا سائنس وٹیکنالوجی کا انکار کردیا جائے؟ سوال انکار واقرار کا نہیں اصول کا ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو اس لیے تباہ نہیں کیا کہ وہ سائنس وٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئی تھی بلکہ اس لیے تباہ کیا کہ وہ گناہ گار زندگی میں بہت آگے بڑھ گئی تھی اور پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھی اور کسی قوم کو عروج اس لیے عطا نہیں فرمایا کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں اپنی مقابل تہذیب سے بڑھ گئی تھی۔ استخلاف فی الارض پاکیزگی قلب ونظر سے مشروط کیا گیا ہے، سائنس وٹیکنالوجی زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ کے درجے میں ہے لیکن اب امت صرف اس کے حصول کو واحد فریضہ

دینی تصور کر رہی ہے۔ فرض کفایہ نے افضل ترین فرض کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ یہ ہے فکر ونظر میں تبدیلی کہ فضیلت، برتری، کامیابی اور استخلاف کا واحد سبب محض سائنس وٹیکنالوجی کو سمجھ لیا گیا ہے۔ پوری امت اسی کی تعلیم وتحصیل کو افضل ترین علم تصور کر رہی ہے لیکن اس کے باوجود اس کے زوال کی رات مزید گہری ہو رہی ہے۔ امید کا مرکز العلم اور الکتاب نہیں بلکہ وہ علم ہو گیا ہے جو مغرب نے تخلیق کیا ہے اور ہم صرف اسی علم کی آرزو سے تبدیلی کی صبح کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ وہ بنیادی تغیر، رویہ اور سوچ ہے جس نے امت کیلئے بلندی کے تمام راستے مسدود ومحدود کر دیئے ہیں۔ قرآن میں عروج وزوال سے متعلق آیات میں ایک آیت بھی ایسی نہیں بتائی جاسکتی جو عروج کو صرف اور صرف سائنس وٹیکنالوجی کے حصول سے مشروط کرتی ہو، نہ ہی استخلاف کی کسی آیت میں کسی نبی کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ زمین میں اقتدار کے بعد سائنس وٹیکنالوجی کے علم کی تدریس وتعلیم کو اولیت دیں گے، ہر جگہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے جس علم کو جو مرتبہ ومقام دیا گیا ہے اس مرتبے ومقام سے اسے ہٹا دیا جائے تو یہ عدل نہیں ظلم ہے اس ظلم کے اقرار اور اس پر تین سو برس سے مسلسل اصرار کے باوجود امت کا حال کیا ہے؟ ملیشیا، ترکی، ایران، سوڈان، مصر اور پاکستان تمام تر دعوؤں کے باوجود نہ دین میں آگے ہیں نہ دنیا میں شکست کی رات مسلسل طویل ہو رہی ہے۔

قرآن حکیم نے عروج وزوال کے قانون میں کہیں سائنس وٹیکنالوجی کو زوال یا عروج کا سبب قرار نہیں دیا۔ اسی لیے اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے [۴۹:۱۳] سائنس داں اور ٹیکنالوجسٹ ہونا کوئی عظمت نہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رسالت مآب ﷺ کیساتھ رکوع وسجود میں اللہ کے فضل کی تلاش کیلئے سرگرداں رہتے تھے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا [۴۸:۲۹] تسخیر کائنات، تسخیر ارض اور سائنس وٹکنالوجی کی تلاش میں انھیں سرگرداں نہیں پایا گیا اسی لیے قرآن نے بتایا کہ گناہ عظیم پر اصرار کرنے والے جہنم میں ہوں گے: اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ..... وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ [۵۶:۴۶،۴۵] سائنس وٹیکنالوجی نہ جاننے والوں یا اس میں پیچھے رہ جانے والوں کو قرآن کی کسی ایک آیت میں بھی جہنم کی وعید نہیں سنائی گئی، آخر کیوں؟ حضرت ابراہیم کو ایک ذی علم لڑکے کی پیدائش کا مژدہ سنایا گیا: فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ [۵۱:۲۸] تو اس علم سے مراد سائنس وٹیکنالوجی کا علم نہیں خالق کائنات کی معرفت اور آخرت کی حقیقت کا علم مراد تھا۔ حضرت یحییٰ کو اللہ نے بچپن میں حکم سے نوازا يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا [۱۹:۱۲] جبکہ حکم کی یہ صفت دیگر انبیاء کو نبوت کے

ساتھ عطا کی گئی یہ حکم کیا سائنس وٹیکنالوجی تھا؟

کفار ومشرکین کی تباہی کا سبب یہ تھا کہ ان کے سامنے ان کے رب کی آیات میں سے جو آیت بھی آتی ہے یہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے: وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ [۳۶:۴۶] ایسے تمام افراد اور تمام قوموں پر اللہ کا عذاب ان کے گناہوں کے باعث نازل ہوا: فکلا اخذنا بذنبہ [۲۹:۴۰] اور مومنین کی کامیابی کا سبب یہ تھا کہ وہ گناہگار زندگی سے نفرت کرتے تھے پاکیزہ زندگی بسر کرتے اور اس دنیا کو گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ذمے دار بنائے گئے اس لیے جو آخرت کا خواہش مند ہو اور اس کے لیے سعی کرے جیسی کہ اس کے لئے سعی کرنی چاہیے اور ہو وہ مومن تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی [۱۷:۱۹] اللہ اپنے بندوں کا نہایت خیر خواہ ہے: يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ [۳:۳۰] وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا: مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا [۱۸:۵۱]، اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ [۹:۷۰]۔ اور تمہارا رب بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے اگر وہ ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑنا چاہتا تو ان پر فوراً عذاب بھیج دیتا فَاَتْبَعَ سَبَبًا [۱۸:۸۵ الکہف] اسی لیے اس نے رحم وکرم کا شیوہ اپنے لیے لازم کرلیا ہے [۶:۳۵] اس رحمت کے باعث وہ فوراً سزا نہیں دیتا، اگر وہ کہیں لوگوں کو ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑتا تو زمین کی پشت پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک معین مدت تک مہلت دے رہا ہے [۳۵:۴۵] لہٰذا وہ انسان کو مہلت عمر دیتا ہے کہ وہ عہد الست کو یاد کر کے اپنے خالق کی پناہ میں آجائے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو سبق لے سکتا تھا [۳۵:۳۷] انسان نے وہ قرض ادا نہیں کیا جس کا اللہ نے اسے حکم دیا تھا: كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ [۸۰:۲۳] یعنی بھلائیوں کی طرف دوڑنے والے نیکیوں میں سبقت کرنے والے: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ [۲۳:۶۱] اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے لیے عرصۂ حیات کا تعین اس لیے فرمایا کہ ان کے اندر جو خیر مخفی ہے اس کو ظاہر ہونے کا موقع عطا فرمائے اور یہ عمر اس خیر کے ظہور میں آنے کے لیے بہت کافی ہے لیکن یہ انسان عہد الست کو یاد کرنے کے بجائے ویسی ہی بحثوں میں پڑ گئے جیسی بحثوں میں پچھلی گمراہ قوموں کے لوگ پڑے تھے: كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ [۹:۶۹]

مومنین اس دنیا کو عیش کی بجائے مشقت، آزمائش اور امتحان کی جگہ سمجھتے تھے کیونکہ انسان کو مشقت میں پیدا کیا گیا ہے [۹۰:۴۰] اور عیش صرف جنت میں میسر ہوگا جہاں ہر خواہش پوری ہوگی [۲۵:۱۶] جو کچھ [جنت میں] وہ طلب کریں گے ان کے لیے حاضر ہے [۳۶:۵۷] اور جہاں کسی قسم کی مشقت ہوگی نہ تکان لاحق ہوگی [۱۵:۴۸، ۳۵:۳۵، ۱۵:۴۸] لہٰذا کفار دنیا میں عیش وعشرت تلاش کرتے ہیں مومن اسے جنت کے حصول تک ملتوی کردیتے ہیں اور سادہ زندگی کو اپنے پیغمبر کی اتباع میں اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں۔ کفار کو جب اقتدار ملتا ہے تو وہ اس زمین کو جنت ارضی بنانا چاہتے ہیں ان کی دوڑ دھوپ دنیا سے زیادہ سے زیادہ تمتع پر مرکوز رہتی ہے اور مومنین استخلاف فی الارض کی نعمت ملنے کے بعد نماز، زکوٰۃ کا نظام قائم کرتے اور معروف کی تلقین ومنکر کا خاتمہ کرتے ہیں: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ [۲۲:۴۱] وہ متاع دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے [۱۵:۸۸، ۲۰:۱۳۱، ۱۸:۲۷] نماز انھیں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے کہ یہ دین کا ستون ہے۔ اور کفر اور اسلام میں حد فاصل ہے اس لیے قرآن میں آتا ہے ''اور جہاں بھی تم ہو اسی [مسجد حرام] کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو تاکہ لوگوں کو تمھارے خلاف کوئی حجت نہ ملے: وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِىْ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِىْ عَلَيْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ [۲:۱۵۰] یہ آیت کفر واسلام میں حد کا تعین کرتی ہے ارشاد ہے اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى [۲۰:۱۳۲] مومنین کو تجارت خرید وفروخت اللہ کی یاد اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ [۲۴:۳۷]۔ نماز کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہے اس لیے سورۂ توبہ میں مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی تو یہ بھی کہا گیا کہ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کردیں تو انھیں چھوڑ دو: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَ جَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [۹:۵]

نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی مخلوق کا حق ہے ان دونوں حقوق کے بغیر ایمان قابل قبول نہیں ہے، اسی لیے حضرت ابوبکرؓ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جنگ کی اور فرمایا کہ اگر یہ اونٹ کی رسی کے برابر زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کریں گے تو ان کے خلاف جنگ ہوگی اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں ہوسکتی۔

دنیا بھر میں کروڑوں مسلمان بھوک وافلاس سے مجبور ہیں فقر وفاقہ لاکھوں مسلمانوں کو کفر کے قریب لے

گیا ہے لیکن ان خوشحال مسلمانوں کو ان بے کس و بے بس مجبور و بے نوا مسلمانوں کی کوئی فکر نہیں دنیا دار علما نے انھیں یہ سبق سکھا دیا ہے کہ خوب کھانے اور اچھا پہننے میں کوئی حرج نہیں: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔کیا قرآن کی اس آیت کا محل یہی ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم بھوک سے مر رہے ہوں اور یہ اللہ کی نعمتوں کی شکر گزاری کے نام پر عیش و عشرت میں مصروف ہوں؟ پورے عالم اسلام کا یہی حال ہے بھارت کے مسلمان جو سب سے زیادہ اذیت، تکلیف اور مصیبت میں ہیں ان کا حال اس غلامی میں یہ ہے کہ جامع مسجد دہلی کے صحن میں پتنگیں اڑائی اور لڑائی جاتی ہیں اور بو کاٹا کے نعرے لگا کر مسلم پتنگ باز ایک دوسرے پر جھپٹتے اور دوڑتے پھرتے ہیں۔

ممتاز محقق ڈاکٹر عارف نوشاہی اپنے سفرنامے ''ارمغان ہندوستان'' میں لکھتے ہیں: ''مسجد جمالی کے باغیچے یعنی صحن کے گھاس پر بیٹھے تین آدمی تاش کھیل رہے تھے میں جوتے اتار کر مسجد میں داخل ہوا تو آگے دالان میں ایک بھنگی جوتوں سمیت مسجد کی صفائی کر رہا تھا''۔ دہلی کی جامع مسجد کے بارے میں ان کے تاثرات دیکھیے: مسجد کے صحن میں اتنے نمازی اور سیاح نہ تھے جتنے پتنگ باز لڑکے پتنگ بازی میں مصروف کوئی انھیں روکنے والا نہ تھا، لگتا ہے ہندوستانی تاریخی مسجدیں تاش بازی اور پتنگ بازی کے لیے رہ گئی ہیں۔[تفصیلات کے لیے ارمغان ہندوستان سفر نامہ عارف نوشاہی اور خلاصے کے لیے ماہنامہ الزبیر شمارہ ۴۔۲۰۰۸ء ص ۱۶۵]۔ خدانخواستہ غیر مسلم اگر مساجد کے صحن ،آنگن باغ میں پتنگ اڑاتے نظر آتے تو حفاظت دین کے نام پر ان کے خلاف فساد برپا ہو جاتا لیکن خود جو چاہے کریں یہ وہ رویہ ہے جو مسلم قوم پرستی کے بطن سے جنم لیتا ہے، عجیب واقعہ ہے کہ ایک ہندو قبلہ رخ ہو کر حوائج ضروریہ سے فراغت میں مصروف تھا ایک مسلمان نے دیکھا تو دینی حمیت کے باعث اس پر شدید ناراضگی، غصے، رنج اور دکھ کا اظہار کیا، ہندو شرمندہ ہوا معذرت کی کہ آپ کی دلآزاری ہوئی کچھ دنوں بعد ہندو نے اسی مسلمان کو یہی عمل قبلہ رخ ہو کر دہراتے دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ آپ نے منع کیا تھا پھر یہ عمل آپ کے لیے کیسے روا ہو گیا؟ جواب ملا یہ کعبہ ہمارا ہے ہم اس کے ساتھ جو چاہیں کریں تم غیر مسلم ہو تم نہیں کر سکتے۔ امت مسلمہ ان دنوں اسی افراط و تفریط کا شکار ہے۔ اس کی بنیادی وجہ علم اور تربیت کی شدید کمی اور بعض ہنگامی اسلامی تحریکوں کی روحانیت سے عاری جذباتیت اور شدت پسندی ہے۔ جس کے باعث مسلم قوم پرستی کا شجر مسلسل برگ و بار لا رہا ہے۔

رسالت مآب کو حکم دیا گیا ''اگر ہم چاہتے تو ایک ایک بستی میں ایک ایک خبردار کرنے والا اٹھا کھڑا کرتے پس اے نبی کافروں کی بات ہرگز نہ مانیے اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کیجیے: جِهَاداً كَبِيراً وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ..... فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا [الفرقان ۵۲۔۵۱] ان آیات میں بتا دیا گیا کہ قیامت تک کے لیے سرچشمۂ روشنی کے طور پر کل دنیا کے لیے رسالت مآب کافی ہیں جس طرح ایک سورج سارے جہاں کے لیے کافی ہوتا ہے

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں اک طلوع آفتاب دشت وچمن سحر سحر

اہل کفر سے جہاد کے لیے رسالت مآب کو علوم عقلیہ اور آلات سائنس کے بجائے قرآن دیا گیا اور کہا گیا کہ اس کو لے کر کفار سے زبردست جہاد کرو۔ عہد حاضر کا مسلمان اس قرآن کو ایک طرف رکھ کر جہاد کا علمبردار ہے۔ روز قیامت اس امت سے اللہ تعالیٰ یہ سوال کریں گے کہ اس نے اس ذمہ داری کو کس درجے میں پورا کیا۔

اسی لیے جمعہ کے خطبوں میں دنیا بھر کی مساجد میں یہ حدیث پڑھی جاتی ہے کہ: ''خیر القرون قرنی'' سب سے بہترین زمانہ عہد رسالت کا زمانہ ہے اور سب سے بہترین لوگ: السابقون الاولون ہیں جب ہم کہتے ہیں کہ خیر القرون سب سے بہتر زمانہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خشیت ومعرفت الٰہی آخرت کے خوف اور دنیا سے نفور کے اعتبار سے وہ عہد مثالی ومعیاری عہد تھا جب آخرت غالب تھی اور دنیا غیر اہم، کسی دل کو دنیا محبوب ومطلوب نہ تھی، حضرت خالد بن ولیدؓ جیسا سپہ سالار بھی دنیا سے کوئی رغبت نہ رکھتا تھا، جب انتقال ہوا تو ترکے میں صرف ایک گھوڑا اور تلوار تھی، وہ بھی امت کے لیے وقف فرما دیئے تھے اور اس بات کا رنج تھا کہ شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ خیر القرون کا یہی مطلب ہے کہ دنیا غیر اہم اور مری ہوئی بکری سے زیادہ حقیر اور آخرت ہر شے سے زیادہ اہم ہو جائے، اس یقین کے بغیر امت کا عروج ممکن ہی نہیں۔ ان معنوں میں مسلمانوں کیلئے امید وآرزو، روشنی ونور، معیار ووقار و اعتبار، اور عظمت وشوکت کی ہر راہ ماضی سے پیوستہ ہو کر عہد رسالت ﷺ کے مدینۃ النبیؐ سے وابستہ ہو جاتی ہے، اور اس امت کی ذمہ داری یہ بن جاتی ہے کہ وہ تاریخ کے پہیے کو مسلسل عہد رسالت کی طرف موڑنے، خیر القرون سے وابستہ رکھنے اور پیچھے کی طرف بار بار پلٹانے کی کوششوں میں مصروف رہے اور ہر اس حرکت، جدوجہد، کوشش کو ترک کر دے جو مارکس، ہیگل اور مغربی فلاسفہ کے کافرانہ فلسفوں کے تحت ارتقا کے تاریخی سفر کے کفر کو عام کرتی ہے۔ تاریخ کے اس جدلیاتی نظریے کے مطابق ہر اگلا دور پچھلے دور سے بہتر ہوتا ہے اور ہر آنے والی نئی نسل گزر جانے والی نسلوں سے بہتر، زیادہ عاقل وبالغ وجمیع النظر اعلم اور زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے۔

اسلامی تہذیب وتاریخ وعلمیت میں اس قسم کے افکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ عہد رسالت سے بہتر زمانہ بہتر دور نہ آسکتا ہے نہ آسکے گا اور اس دور کا احیا، اس کی جدوجہد، اس روشنی کی جستجو اور جدوجہد اور جستجو کی خاطر زندگی وقف کر دینا یہی مطلوب دین ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عہد رسالت سب زمانوں سے بہتر ہے تو اس اعتراف واعلان کا کیا مطلب ہے؟ کیا عہد رسالت کا طرز معاشرت تہذیب انداز نشست وبرخاست سادگی جمالیات سادہ ترین زندگی اب ہمیشہ کے لیے متروک ہو چکے ہیں یا اس کا احیا ممکن ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمارا طرز زندگی فرعون کا ہو، اور اس طرز زندگی میں خیر القرون کی روحانیت کو داخل کر دیا جائے؟ کیا دنیا کو ترجیح دینے والے نفس، نظام زندگی، معیشت، معاشرت تہذیب وثقافت میں عہد رسالت کی روحانیت داخل کی جاسکتی ہے؟ جدید طرز زندگی کے اندر اسلام کی

روحانیت داخل کرنے کی آرزو محض سادگی کی انتہا ہے لہٰذا جب بھی دنیا پرست طرز زندگی دین میں داخل ہوگا اور دین دوسرے دروازے سے رخصت ہونے کے بجائے اس جدید مادی ڈھانچے میں تعمیر وتشکیل کے مرحلے سے گزر کر جدید مادیت کی اسلام کاری کرے گا تو روحانیت اس پیکر مادی سے خود بخود رخصت ہوجائے گی۔ دو مختلف طرز زندگی دو مختلف ومتضاد مابعد الطبیعیاتی سے نکلنے والے ادارے، اقدار وروایات، علوم، رویے، اسالیب ومناہج، اور طرائق ایک تہذیب میں نہیں سموئے جاسکتے، اس لیے گزشتہ سو برس میں عالم اسلام کے اخلاقی روحانی بحرانوں کا سبب یہی دوئی [Dualism] ہے جس کو جاری رکھنے کی علمی دلیلیں دنیا پرست علما مسلسل دے رہے ہیں۔

نفس پرستی اور نفس کشی کی متضاد روایات ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔ کیا خیر القرون کے عہد کی کیفیات اس دور کی سادگی اور دنیا سے کم سے کم تمتع کی روایت کے بغیر روحانیت کا منبع کچھ اور بھی ہوسکتا ہے؟ کیا اس جدید تہذیب تمدن اور طریقوں کو لفظ بہ لفظ ارتقائے زمانہ کے نام پر اختیار کرلیا جائے جس کے نتیجے میں لوگوں کا زندگی بسر کرنا بلکہ مغرب میں لوگوں کا مرنا بھی ناممکن ہوگیا ہے؟ برطانیہ جیسے ملک میں تدفین کی رسومات پر چار پانچ ہزار پونڈ خرچ ہوتے ہیں لہٰذا اب تدفین کی رسم کے لیے بھی انشورنس متعارف کرایا گیا ہے، صنعتی انقلاب کے نتیجے میں کینسر جیسی کئی موذی اور مہلک بیماریوں کے جدید علاج نے موت کا حصول بھی مشکل بنادیا، علاج سے مرنے کے لیے لاکھوں روپے کی ضرورت ہے۔ سات ہزار سال کی تاریخ میں سترہ تہذیبوں میں جہاں کبھی خودکشی کی روایت نہیں رہی۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ خودکشی جدید طرز زندگی کے طور پر عام ہورہی ہے، غربت، معیار زندگی کی آرزو، خوابوں سے بھرپور الف لیلوی پُرتعیش زندگی، چکاچوند سے معمور زرق برق خوابناک طرز حیات جو صرف میڈیا پر دکھائی دیتا ہے جدید ایجادات اور ان کی اشتہار بازی سے بے شمار مہلک دماغی، جسمانی اور روحانی امراض مسابقت کی دوڑ میں ناکامی کے باعث پیدا ہورہے ہیں، ان مہلک امراض کے علاج اتنے مہنگے ہیں کہ زندگی بہ خوشی ہار دینا اور خودکشی کرلینا زیادہ آسان ہوگیا ہے، جو موت قسطوں میں لاکھوں روپے خرچ کرکے ملتی ہو جس کے باعث خاندان، جائیداد، عزتیں اور عورتیں سب بک جاتی ہوں مگر مریض پھر بھی صحت مند نہ ہوتا ہو تو سب کے لیے خودکشی کے راستے کھل جاتے ہیں اسی لیے خودکشی عام ہورہی ہے خواہ وہ دنیا کے غریب علاقے ہوں یا امیر خطے اس کا سبب شاعر عارف شفیق نے صرف دو مصرعوں میں بتادیا ہے:

غریب شہر تو فاقے سے مرگیا لیکن امیر شہر نے ہیرے سے خودکشی کرلی

کسی کے پاس کھانے کو روٹی نہیں اور کسی کے پاس کھا کے مرنے کیلئے ہیرا ہے، یہ خدا بے زار معاشروں کا انجام ہے۔

خودکشی صرف غریب آدمی نہیں کررہا، بڑے بڑے امرا کررہے ہیں، ان یوروپی ممالک میں ہورہی ہے جہاں آمدنی اور عیاشی سب سے زیادہ ہے، جن کو ہمارے جدیدیت پسند مسلم مفکرین بڑی حسرتوں سے دیکھتے ہیں اور جیسے ہی کسی یورپی ملک سے سفر کرکے آتے ہیں فوراً مدح وثنا کے لیے سفرنامے لکھتے اور اسلام سے ٹریفک کا نظام ثابت

کرنے لگتے ہیں، مغرب میں محبت، خاندان، رشتوں، روابط، مذہب، اقدار اور اخلاقیات کی موت کے باعث لوگوں کی زندگی بے معنی [meaningless] ہو چکی ہے اس کو معنی دینے کا طریقہ گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ ہے، مگر زندگی پھر بھی بے معنی ہی رہتی ہے نہ خاندان، نہ ماں، نہ بیوی نہ بچے آدمی کس کیلئے جیے کس کیلئے مرے کس کیلئے قربانی دے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے ہی لیے مرجائے، ہائیڈیگر کے الفاظ میں یہ ''فاتحانہ موت'' آج مغرب کی پسندیدہ تہذیب ہے جسے تیزی سے مقبولیت حاصل ہو رہی ہے، عہد حاضر کا سب سے بڑا فلسفی گلز ڈلیوز [Gills Delluze] اس عہد کے مسائل پر سوچتے سوچتے پاگل ہو گیا وہ ان مسائل کا کوئی جواب نہ دے سکا تو اس نے ہسپتال کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔ اسے صدمہ ہے کہ انسان ابھی تک آزاد نہیں ہو سکا، باپ بیٹی، ماں اور بیٹے کے رشتوں میں مساوات کے فلسفے کے باوجود ابھی تک احترام قائم ہے۔ یہ تعلقات ابھی تک مکمل ناپاک نہیں ہوئے۔ اسے شکایت یہ ہے کہ Incestuous Relations عام کیوں نہیں ہو گئے۔ حالانکہ مغرب میں مساوات کے فلسفے کے باعث حقیقی خونی رشتوں میں جنسی جبر کی شکایات عام ہیں۔ تاریخ انسانی میں کبھی کسی فلسفی نے اس بے بسی کیساتھ اپنی جان کا نذرانہ پیش نہیں کیا۔ جدید مغربی تہذیب اس کی سائنس، ٹیکنالوجی اور اس کے بطن سے پھوٹنے والے مسائل گلز ڈلیوز کی خودکشی کا سبب ہیں، سوئٹزرلینڈ، ناروے، سویڈن، جرمنی اس وقت عصری تاریخ کے ترقی یافتہ، امیر، سہولتوں سے آراستہ اور جدید فتوحات سے مزین بہت محدود آبادی کے حامل معاشرے ہیں، لیکن سب سے زیادہ خودکشی کی شرح ان خطوں میں ہے تو آخر کیوں؟ مادی ترقی کی معراج پر پہنچنے کے بعد بھی کیا کسی شئے کی ضرورت باقی رہ گئی؟ انسان خودکشی کیوں کرتا ہے؟ کیا اسے خودکشی کرنی چاہیے؟ خودکشی کیوں کی جاتی ہے؟ فلاسفہ کے یہاں اس پر دلچسپ بحث ملتی ہے۔ کانٹ کے خیال میں انسانی ذہن بارہ حصوں میں منقسم ہے۔ ہیگل کے خیال میں انکی تعداد ۱۰۵ ہے۔ کانٹ کے خیال میں کوئی عقل مند آدمی خودکشی نہیں کر سکتا۔ ہیگل کے خیال میں خودکشی انسان ہی کرتے ہیں جانور کبھی خودکشی نہیں کرتے۔ کیا عہد حاضر کا انسان جانور سے بھی گیا گزرا ہے یا خودکشی کوئی قابل فخر کام ہے۔ عہد حاضر میں زندگی اتنی اذیتناک کیوں ہو گئی ہے؟

زندگی یقیناً اذیت ناک ہے اس لیے کہ عہد حاضر کے انسان کی آرزوئیں اور تمنائیں میڈیا اور اشتہارات کی صنعت نے بہت بڑھا دی ہیں اس کے نتیجے میں انسان Scarcity کے جدید مادی و روحانی بحران کا شکار ہو گیا ہے جس کا آخری حل خودکشی ہے۔ جزیرۃ العرب کی سخت ترین زندگی میں شب و روز بسر کرنے والے مشرکین نے کبھی خودکشی نہیں کی مگر عہد حاضر کے عیش و عشرت اور سہولتوں میں آنکھ کھولنے والے وحشی اپنی جان پر کیوں کھیل رہے ہیں؟ وہ کیا بنیادی تغیر واقع ہو گیا ہے کہ اونٹ کی جلتی ہوئی پیٹھ پر بیٹھ کر تپتے ہوئے صحراؤں میں کوک پیپسی اور ٹیٹرا پیک کے دودھ کے بغیر سفر کرنے والا فرد کبھی زندگی سے بے زار نہیں ہوتا تھا، عہد حاضر کا عیاش فرد یہ تمام سہولتیں، مراعات، تعیشات، مل جانے کے باوجود مر جانا چاہتا ہے تو کیوں؟ اگر عہد جدید کے مسلم مفکرین ان باریکیوں، نزاکتوں اور نکتوں

سے واقف نہیں تو وہ خطبہ جمعہ سننا ترک کر دیں اور اپنے لیے ہیگل کے جدلیاتی افکار پر مبنی دجل سے نیا خطبہ جمعہ تیار کریں۔ [خودکشی کی تفصیلات کے لیے انٹرنیٹ پر بے شمار معلومات میسر ہیں۔]

حسین نصر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہر تہذیب کو سائنسی ترقی اس قوم کے دور زوال میں ملی لیکن اس تاریخی تجزیے کو تسلیم کرنے کے بعد وہ مسلمانوں کی سائنسی ترقی کے دور عروج کو ہی اصلاً دور عروج سمجھتے ہیں، اسے زوال کی علامت کے طور پر قبول نہیں کرتے اور اس امر پر تعجب کرتے ہیں کہ اس عروج پر زوال کیوں آ گیا؟ اور اس زوال سے عروج کے مفکر کا راستہ کیسے نکالا جائے؟ یعنی دنیا کی تاریخ میں تمام تہذیبوں اور اقوام میں مسلمان وہ واحد تہذیب، قوم یا امت ہے جس کو سائنسی ترقی دور زوال میں نہیں مسلمانوں کے دور عروج میں ملی۔ ایک جانب وہ عہد عباسی کو عہد ملوکیت بھی قرار دیتے ہیں، ملوکیت کو تمام گناہوں کی جڑ کہتے ہیں اور اس ملوکیت سے نکلنے والی سائنس کو عظیم اسلامی سرمایہ تسلیم کرتے ہیں اور اس سرمایے کے دوام کے لیے کوشاں رہنے کو مقصود قرآن اور مطلوب رسالت محمدی ﷺ قرار دیتے ہیں، ملوکیت کو تمام گناہوں کی جڑ قرار دینا تاریخی طور پر خالص سیاسی مادی اور دور جدید میں خالص مغربی نقطۂ نظر سے ہم آہنگ فکر ہے جو جمہوریت اور جدید مغربی تصور تاریخ سے برآمد ہوا ہے جس کی عمر تین سو سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ کو ملوکیت کی تاریخ سمجھنا ردعمل کی نفسیات سے برآمد ہونے والا نتیجہ ہے جو جمہوریت کے کفر سے خاص تعلق رکھتا ہے اور حاکمیت جمہور کے ذریعے حاکمیت اللہ کے تصور کو جڑ بنیاد سے ختم کر دیتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ نقطۂ نظر اپنی تاریخ کا انکار ہے جو ملت اپنی تاریخ رد کر دے وہ صحرا میں تنہا کھڑی ہوگی اور سراب کی تلاش میں رہے گی۔ حسین نصر کے ان تضادات کی تشریح وتوجیہہ کے لیے ہمیں کچھ اور لکھنے کی ضرورت نہیں، حسین نصر اور مکتبہ روایت سے وابستہ مفکرین اسلامی سائنس کی نہایت عالمانہ اور پر جوش وکالت کے باوجود یہ نہیں بتا سکے کہ مسلمان کا دور عروج تو عہد رسالت مآب ﷺ اور عہد خلافت راشدہ ہے اور بلاشبہ خیر القرون ہے لیکن اس عظیم عہد اور اس کے بعد خلافت راشدہ کے زریں ادوار میں سائنس کی ترقی کے لیے کیا لائحہ عمل مرتب کیا گیا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ خیر القرون سائنس کی عظیم ترقی سے کیوں خالی رہا؟ کیا علوم نقلیہ اور روحانیت اور شعور ایمانی کے مقابلے میں علوم عقلیہ کی ذرہ برابر بھی وقعت نہیں تھی۔ کبار صحابہ کرام میں کتنے سائنس داں تھے، سائنس کے بغیر ہی مسلمانوں نے تین براعظموں کو کیسے فتح کیا؟ امت مسلمہ کا اصل کردار وہ ہے جب وہ مادی طور پر نہایت ہلکی اور اخلاقی وروحانی طور سے سب پر فضیلت کی حامل تھی یا وہ دور جب اسے دنیا میں مادی طور پر برتری حاصل ہوگئی تھی اگر مادی دور بہتر تھا تو اسی دور میں تاتاریوں جیسی کم زور قوم نے انہیں کیسے شکست دے دی؟ اور اُندلس عظیم سائنسی ایجادات کے باوجود اپنا تحفظ کیوں نہ کر سکا کہ وہاں کوئی مسلمان باقی نہ بچا؟

یہ سوال اہم ہے کہ ہمسایہ اقوام کی مادی ترقی تہذیب سائنس فنِ تعمیرات سے ام القریٰ کے مسلمان کیوں مرعوب ومتاثر نہ ہوئے؟ اور مدینۃ النبی میں ان فنون اور علوم عقلیہ کی درآمد میں کیا امر مانع رہا؟ اس سوال پر بھی غور کی

ضرورت ہے کہ مسلمان ہمسایہ اقوام کے علوم عقلیہ اور محیر العقول فلسفہ وسائنس سے اگر مرعوب ہوجاتے تو کیا وہ روم و ایران کو فتح کرسکتے تھے؟ رومی اپنی تمام تر طاقت کے باوجود ایران کو فتح نہ کرسکے لیکن مسلمانوں نے نہ صرف سرزمین ایران کو فتح کرلیا بلکہ اس خطے کے لوگوں کے قلب بھی تسخیر کرلیے اور عظیم الشان رومی سلطنت کا بھی خاتمہ کردیا۔ مسلمانوں کے پاس روم وایران کی سائنس وٹیکنالوجی کے مقابلے میں صرف ایمان کی قوت تھی ان قوتوں کا خاتمہ کرنے والے ان ختم ہونے والی سلطنتوں کی مادی ترقی، علوم عقلیہ کے مقابلے میں کس حیثیت اور کس مقام کے حامل تھے اس کے لیے تمام مروجہ تاریخوں کا مطالعہ کرلیا جائے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا [الفرقان:۳۰]۔ ''اے میرے رب میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانہ تضحیک بنالیا تھا'' یہ آیت صرف عہد رسالت کے کفار مشرکین کے لیے نہیں ہے اس عہد کے جدیدیت پسند مسلمانوں کے لیے بھی ہے، جنھوں نے اس قرآن کی تضحیک کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ قرآن کے معنی Hermenenties سے متعین ہوں گے، کبھی کہتے ہیں کہ کلام عرب سے اخذ ہوں گے، کبھی کہتے ہیں کہ اسکے جو معنی عہد رسالت میں تھے اب وہ نہیں ہیں، ان میں جو بہت زیادہ جری ہیں انکو شکوہ ہے کہ اس قرآن کو لے کر ہم کیا کریں اس میں نہ سائنس ہے، نہ سوشل سائنس، نہ منطق اس کی آیات سے نہ ہم ایٹم بم بناسکتے ہیں، نہ ہوائی جہاز، یہ قرآن عہد حاضر میں کسی کام کا نہیں ہے۔ نعوذ باللہ، دوسری جانب معذرت خواہ سادہ لوح اور جاہل مفکرین اسی قرآن سے تمام مغربی، مادی، عقلی اور سائنسی علوم کو ثابت کررہے ہیں۔ مگر اس سوال کا جواب نہیں دیتے کہ عجیب بات ہے کہ قرآن تمھارے پاس تھا اور قرآن میں مستور و مخفی تمام علوم کافروں کو مل گئے جن میں سے کسی ایک سائنس داں نے کبھی بھول کر قرآن نہیں پڑھا اور نہ قرآن کے ذریعے کوئی سائنسی فارمولا دریافت کیا۔

دکھی انسانیت کے نام

آج بیمار انسانیت عطائی معالجین کے ہاتھوں اپنا مرض بڑھا کر سسک سسک کر دم لے رہی ہے' میرے بھائیو! صحیح علاج کیلئے دوا کے ساتھ ساتھ تدابیر اور غذا کی موافقت بھی لازمی ہے' یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خونی پیچش ہوں' تکے کباب روسٹ وغیرہ بھی کھائے جائیں' اور پھر شفا کی امید بھی رکھی جائے۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ گوشت خوری بھی کی جائے اور تیزابیت بھی نہ ہو' دودھ اور چاول کھائے جائیں اور نزلہ زکام کو فائدہ ہوجائے' جگر کی تحریک میں گھی کا کھانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

میرے بھائیو! حکمت بچوں کا کھیل نہیں' یہ طویل ترین ریاضت' تجربہ اور محنت کے ساتھ ساتھ قلب ونظر کی پاکیزگی اور توجہ الی اللہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی' بفضلہ تعالیٰ چالیس سالہ تجربہ کے دوران کم ازکم ایک لاکھ ملکی وغیر ملکی مریضوں کا علاج کرچکا ہوں' طبیہ کے کالج کا سابقہ لیکچرار ہوں۔ دو ایوارڈ اور ایک گولڈ میڈل حاصل کرچکا ہوں۔ خدانخواستہ آپ کسی بھی مرض میں مبتلا ہیں تو ایک مرتبہ مجھے علاج کا موقع دیں' انشاء اللہ شفائے کاملہ وعاجلہ ہوگی۔ بذریعہ ڈاک بھی دوا منگواسکتے ہیں۔

ایام ملاقات: بروز جمعہ اور ہفتہ : حکیم حاجی عبدالکریم بھٹی' لاہور ملتان روڈ' حبیب آباد (واں رادھارام) ضلع قصور

0345-7545119 - 0300 8841778